قطر، جو کہ سرکاری طور پر وہابی مسلک سے وابستہ ریاست ہے، نے اس ارادے کا اظہار کیا ہے کہ وہ پرائمری اور سکینڈری نظام تعلیم کی نئے سرے سے تشکیل کرے گا جس کے تحت جدید علوم متعارف کروائے جائیں گے اور اسلامیات وعربی کی کلاسز کم کردی جائیں گی۔ اصلاحات کے اس منصوبے کو جس کا ایک حصہ رینڈ کارپوریشن (Rand Corporation) کے زیر انتظام ہے، کا مقصد ہے کہ مذہبی رواداری، احتساب اور فیصلہ سازی کو فروغ دیا جائے جبکہ قطر کا ثقافتی تشخص بھی محفوظ رہے۔ کچھ مسلمان ناقدین نے جو مشرق وسطیٰ اور مسلم دنیا میں پائے جانے والے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، ان اصلاحات پر ناگواری کا اظہار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ اصلاحات امریکہ کے حکم پر عمل میں آئی ہیں اور مقامی اسلامی ورثے کی تضحیک کا باعث ہیں۔

پاکستان کے جہادی کارخانے

تحریر: بن باربر*

ترجمہ: عبداللہ خان

اس بات کا تصور کرنا بھی محال تھا کہ وہ مسکراتے بچے جو کہ پاکستان کے تاریخی شہر لاہور میں واقع ایک مدرسے کی چھت پر کرکٹ کھیل رہے تھے درحقیقت وہ قاتل بننے کی تعلیم حاصل کرر ہے تھے۔ اس مدرسے کے سربراہ، جو کہ سفید پگڑی اور شلوار قمیض میں ملبوس تھے، نے مجھے دعوت دی کہ میں خود اس بات کا مشاہدہ کروں کہ ان کے مدرسے میں طالب علموں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جاتا ہے اور انہوں نے یہاں رہتے ہوئے کیا سیکھا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں مدرسہ خدام الدین کی سیڑھیاں چڑھا جو کہ پاکستان میں لگ بھگ سات ہزار مدارس میں سے ایک مدرسہ ہے۔ میں نے دیکھا کہ کلاسوں کے درمیان وقفے میں طلبا کھیل رہے ہیں۔

طلبا سے چند لمحے بات چیت کرنے کے بعد میں نے فوراً ہی یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ ان کی تعلیم کا سب سے اہم موضوع جہاد ہے۔ پرانے شہر لاہور میں واقع مدارس کے تقریباً ۲۰۰۰ طلبا اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد چیچنیا، افغانستان، فلسطین اور ہندوستان کے زیر اہتمام کشمیر میں کفار سے جہاد کرنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں پاکستان بھر میں اس طرح کے مدارس بہت تیزی سے پھیلے ہیں اور اس کی ایک بڑی وجہ حکومت کے تحت چلنے والے نظام تعلیم کی ناکامی ہے۔ پاکستان میں بالغان کی ناخواندگی کی شرح کا اندازہ ۷۰ فیصد لگایا گیا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق ان مدارس میں داخل طلبا کی تعداد ۷۵ء املین کے لگ بھگ ہے تاہم یہ بات واضح نہیں ہے کہ ان میں سے کتنے مدارس ایسے ہیں جو اپنے طلبا کو جہاد کے لیے تیار کرتے ہیں۔ جبکہ

---

* Ben Barber, "Pakistan's Jihad Factoris", *World &/I*, Dec 2001, p. 68-72

کچھ تعداد ایسے مدارس کی بھی ہے جو کہ صرف دینی تعلیم دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔لیکن جین ڈیفنس پبلی کیشنز کی رپورٹس کے مطابق افغانستان میں شدت پسند طالبان حکومت کو جب بھی اپنے باغیوں کے خلاف کارروائی تیز کرنے کی ضرورت پڑتی تو پاکستانی مدارس کے ہزاروں طلبا ٹرکوں کے ذریعے بارڈر پار کر کے ان کی مدد کو جا پہنچتے۔اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ مدارس کا نظام ان ہزاروں اسلامی جنگجوؤں کے لیے نرسری بن چکا ہے جو کہ دنیا بھر میں اختلافات کو بھڑکانے کے ذمہ دار ہیں۔

چاہے یہ واقعات فلپائن میں ہوں یا انڈونیشیا، روس اور وسط ایشیا میں یا پھر نیویارک کا ورلڈ ٹریڈ سنٹر، ان تمام واقعات کے ڈانڈے انہی مدارس کے تعلیم یافتہ افراد سے ملتے ہیں۔ بلاشبہ پاکستان دہشت گردوں کے لیے ایک زرخیز باغ ہے۔

مدرسہ خدام الدین کے منتظم محمد اجمل قادری بنیاد پرست جمعیت علمائے اسلام کی تین شاخوں میں سے ایک کے سربراہ ہیں اور بقول ان کے قریباً ۳۰۰۰ا تربیت یافتہ مجاہدین ان کے مدرسے سے تعلیم مکمل کر کے گئے ہیں۔ جبکہ ان میں سے ۲۰۰۰ طلبا ایسے بھی ہیں جو کہ مقبوضہ کشمیر میں گئے یا جانے کے لیے تیار ہیں۔

دنیا کو مسلمان بنانا

قادری جو کہ شائستہ اور برطانوی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں انہوں نے اپنے امریکی مہمان کی چائے کے ساتھ تواضع کی اور بعد ازاں پرسکون انداز میں اس بات کا انکشاف کیا کہ برداشت اور تہذیبی آگہی کے حوالے سے جدید نظریات ان کے ذہن میں کوئی بھی جگہ پانے میں ناکام رہے ہیں۔ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ ''آخر کار تمام لوگوں کو مسلمان ہونا پڑے گا چاہے ان کا تعلق امریکہ میں بسنے والے عیسائیوں یا یہودیوں سے ہی کیوں نہ ہو اور دنیا کو اسی طرح چلنا پڑے گا جیسا کہ ہم چاہیں گے اور وہ اس لیے کہ ہمیں خدا کی جانب سے یہ حق دیا گیا ہے کہ ہم انسانیت کی راہنمائی کریں''۔

انہوں نے مجھ سے کم وقت دینے پر معذرت چاہی اور مزید یہ بات بھی کہی کہ وہ اپنے دورہ امریکہ کی تیاری میں مصروف ہیں جہاں وہ پہلے بھی متعدد بار جا چکے ہیں۔امریکہ میں وہ ان سینکڑوں مساجد میں

تبلیغ کرتے ہیں جو کہ مسلمان آباد کاروں نے وہاں پر تعمیر کی ہیں اور اپنے مدرسے کے لیے فنڈ جمع کرتے ہیں۔ اس مدرسے کے لیے جہاں بچوں کو اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ دنیا میں اسلام کے غلبے کی راہ میں کھڑے ہر شخص کو مار دیا جائے۔

مدرسہ کی ۱۱۰ سالہ پرانی عمارت کی پختہ چھت پر طلبا خالی پیریڈ سے فائدے اٹھاتے ہوئے دوسرے عام بچوں کی طرح کرکٹ اور کشتی کھیل رہے تھے۔ لیکن طلبا میں سے ایک جو کہ ذرا مضبوط جسم رکھتا تھا اس نے وضاحت کی کہ کس طرح اس کی اور اس کے ہم جماعت لڑکوں کی پر تشدد جدوجہد کی جانب راہنمائی کی جاتی ہے۔

چودہ سالہ عبیداللہ انور نے اردو میں مترجم کی زبانی کہا: ''بہت سے طلبا جہاد کے لیے جاتے ہیں اور انشاءاللہ میں بھی جہاد کے لیے جاؤں گا۔ جہاد اسلام کی حفاظت اور اس کی عظمت کے لیے کیا جاتا ہے''۔

اپنے بہت سے دوسرے ہم جماعت ساتھیوں کی طرح وہ بھی ۱۸ برس کی عمر میں مدرسہ چھوڑ دے گا اور پھر پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں واقع کسی بھی فوجی تربیتی کیمپ یا پھر افغانستان یا کسی اور خفیہ جگہ میں وہ جہاد کی عملی تربیت حاصل کرے گا۔ اس نے کہا: ''تربیت حاصل کرنے کے بعد ہم کشمیر، چیچنیا، فلسطین اور افغانستان میں جہاد کریں گے''۔

جب اس سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وہ اس جہاد کے دوران مارے جانے یا زخمی ہونے کے لیے تیار ہے؟ تو سانولے رنگ کے تمیزدار بچے نے کہا کہ ''میں ان لوگوں کو نقصان پہنچاؤں گا جو کہ اسلام کے دشمن ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اس راہ میں، میں زخمی بھی ہوسکتا ہوں اور میری جان بھی جاسکتی ہے''۔

اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ عبیداللہ وہاں لڑتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک ۲۳ سالہ جنگجو نے، جس کا تعلق ایک اور اسلامی جہادی گروپ حزب المجاہدین سے تھا کہا کہ گزشتہ ڈیڑھ برس کے دوران اس کے گروپ میں شامل آٹھ افراد میں سے پانچ افراد ہندوستانی فوج کے خلاف کشمیر میں لڑتے ہوئے مارے جاچکے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۹ء سے لے کر اب تک تقریباً ۱۳۰۰۰۰ افراد کشمیر میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

جب عبیداللہ سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ اسلام کے دشمنوں کو کس طرح سے پہچان پائے گا تو اس نے

جواب دیا: ''اگر میں انہیں السلام علیکم کہوں اور وہ مجھے اس کا جواب نہ دیں''۔ (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اسلام دشمن ہے)۔ جب اس سے دوبارہ یہ سوال کیا گیا ''چونکہ بہت سے امریکی عربی زبان نہیں جانتے اور انہیں اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ سلام کا جواب کس طرح سے دینا چاہیے تو کیا وہ اسلام کے دشمن ہی کہلائیں گے؟'' اس سوال پر لڑکا پریشان ہوگیا اور اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بارے میں معلوم نہیں اور ساتھ ہی اس نے ان اساتذہ کی طرف امداد طلب نظروں سے دیکھا جو کہ اس کے اردگرد جمع تھے اور خود بھی اس سوال پر پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ جب اس سے براہ راست یہ سوال پوچھا گیا کہ کیا تمام غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف ہیں؟ اس کے جواب میں اس نے اساتذہ کی جانب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ٹھوس لہجے میں جواب دیا ''نہیں''۔

یہ مدرسہ عبیداللہ اور اس کے ہم جماعتوں کو سپاہیوں کی سی سخت زندگی کے لیے تیار کر رہا ہے جہاں رہتے ہوئے طالب علم کو آرام اور علیحدگی کا بہت قلیل وقت میسر آتا ہے۔ تمام طلبا مسجد کے فرش پر اپنے بستروں پر سوتے ہیں جنہیں وہ صبح ہوتے ہی تہہ کر دیتے ہیں۔ وہ صبح ۳ بجے پڑھائی اور نماز کے لیے جاگتے ہیں اور کھیل کے لیے انہیں وقفہ ساڑھے چار بجے ملتا ہے۔ ساڑھے سات بجے طلبا ناشتہ کرتے ہیں اور اس کے بعد گیارہ بجے تک پڑھائی ہوتی ہے اس کے بعد وہ دو گھنٹے کے لیے آرام کرتے ہیں۔ طلبا نماز ادا کرتے ہیں، پھر پڑھتے ہیں پھر دوپہر کا کھانا پھر نماز پھر پڑھائی اور پھر نماز یہاں تک کہ وہ رات کا کھانا ساڑھے نو بجے کھاتے ہیں اور اس کے بعد وہ مسجد میں سونے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ ان کے پاس سونے کے لیے علیحدہ کمرے کا انتظام نہیں ہے، یہاں تک کہ ان کی اپنی کوئی چارپائی بھی نہیں ہے۔

مدرسوں کی تعداد میں تیز رفتار اضافہ!

والدین اپنے بچوں کے لیے اس مشقت بھری زندگی کا انتخاب متعدد وجوہات سے کرتے ہیں۔ ان وجوہات میں مذہب سے لگاؤ اور دیہاتی زندگی کی پسماندگی زیادہ اہم ہیں۔

پاکستان میں زندگی پر مذہب کا غلبہ ہے۔ پاکستان میں قومی فضائی سروس بھی اپنی پرواز کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت یا دعا سے کرتی ہے۔ سیاست دان، یہاں تک وہ تعلیم یافتہ طبقہ جنہوں نے لندن اور

بوسٹن سے تعلیم حاصل کی ہوئی ہے اور جو کہ بظاہر مغرب زدہ زندگی گزار رہے ہیں وہ بھی اسلام کے سخت قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

غربت ایک اور مسئلہ ہے۔ لاہور سے آدھے گھنٹے کی مسافت اور بھارت کی سرحد کے قریب واہگہ کے مقام پر واقع ایک گاؤں کے ایک کسان محمد شفیع نے بتایا کہ اس کا بچہ کیوں سکول جانے کے بجائے ایک مقامی مدرسے میں تعلیم حاصل کر رہا ہے؟ "مدارس میں —— جن میں سے اکثر سعودی عرب اور دوسرے مسلم ممالک کی تنظیموں کے مالی تعاون سے چلتے ہیں —— طالب علم کو قرآن مجید حفظ کروایا جاتا ہے"، اگر چہ وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتا۔ اسے قومی زبان اردو پڑھنا اور لکھنا نہیں سکھایا جاتا۔

شفیع، جو کہ لاہور سے جنوب مشرق کی جانب ۳۰ میل کی مسافت پر واقع ایک گاؤں دیال میں اپنے چاول کے کھیت کے اردگرد گارے کی دیوار بنا رہا تھا، نے ہم سے سوال کیا "کہ ایک غریب آدمی کیسے اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکتا ہے؟ یہاں تک کہ اگر سکول میں تعلیم مفت بھی دی جانے لگے تو اس کے باوجود بھی کتابیں اور کاپیاں وغیرہ تو اس صورت میں بھی خریدنی پڑتی ہیں"۔

شفیع نے سکول کی یونیفارم کی قیمت کا ذکر بھی نہیں کیا جس کا چھوٹا بیٹا قریب ہی ہر قسم کے لباس سے بے نیاز کھیل رہا تھا اور دیوار کو ایک نوکدار چھڑی کے ذریعے کھرچ رہا تھا۔ شفیع کا ایک اور ۱۳ سالہ بیٹا مراتب علی، میلا کچیلا اور پھٹا ہوا جانگیہ پہنے اس گارے کی دیوار کو اونچا کرنے میں اپنے والدین کی مدد کر رہا تھا۔ اس کسان نے کہا کہ فی الحال اپنے بچے کو جہاد کے لیے بھیجنے کا فیصلہ قبل از وقت ہوگا لیکن جس انداز میں اسلام کے غلبے کا چرچا ہو رہا ہے اور مستقبل میں اس کے ان پڑھ بچے کے لیے ملازمت ملنے کا امکان کم ہے۔ تو یہ ایسی وجوہات ہیں جن کو دیکھتے ہوئے اس کا بچے کو جہاد کے لیے بھیجنا بعید از قیاس نہیں۔

شفیع کا خاندان دو ایکڑ زمین کا مالک ہے جس میں اس وقت ۶ انچ اونچی دھان کی فصل لہلہا رہی تھی۔ انہیں بجلی کی سہولت تو میسر ہے لیکن وہ صرف دو بلب روشن کرنے کی ہی سکت رکھتے ہیں۔ ان کے پاس ریڈیو اور ٹیلی ویژن نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور پورے گھرانے میں کوئی بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ جب کہ مقامی مدرسہ نہ صرف مراتب کو مفت کھانا دیتا ہے بلکہ بعض اوقات مفت کپڑے بھی مہیا کرتا ہے۔

لاہور میں اجمل قادری نے ہمیں بتایا کہ انہیں اس بات پر فخر ہے کہ ان کا مدرسہ مراتب کی طرح اور

بہت سے نوجوانوں کو کشمیر اور چیچنیا میں جاری جہاد میں بھیجتے ہیں۔ لیکن اجمل قادری کا آخری ہدف امریکہ ہے، جس کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ امریکیوں کو مسلمان کر کے وہ اسے فتح کر لیں گے۔

اجمل قادری نے کہا: ''امریکہ میں اس وقت ۳۰۰۰ سے زائد مساجد اور مدارس ہیں اور یہ خدا کے طرف سے امریکیوں کے لیے تحفہ ہیں''۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا ''امریکیوں کی تہذیب مونیکا لیونسکی کی تہذیب ہے''۔ ''امریکی تہذیب اندر سے بالکل کھوکھلی اور خالی ہے ایسے میں اسلام ہی ایک ایسا تہذیبی نظام فراہم کرتا ہے جو کہ زندگی میں پیش آئندہ حالات کا بوجھ اٹھا سکتا ہے''۔ انہوں نے ہندومت کی بھی اسی انداز میں تردید کی۔ وہ مذہب جو کہ پاکستان کے ہمسایہ ملک بھارت میں بسنے والے ۹۰۰ملین افراد کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''ہندومت محض فیشن اور روایات سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے''۔

امریکہ مخالف جذبات کی جڑیں

قادری نے کہا کہ وہ پاکستانی فوجی حکومت کے ان تمام اقدامات کی مخالفت کریں گے جو کہ مدارس کی باقاعدہ رجسٹریشن کے لیے کیے جائیں گے۔ اس کا آغاز ہو چکا ہے اور مدارس سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے مدرسے میں پڑھنے والے طلبا کی تعداد اور ان کے نام، اساتذہ کے کوائف، میسر سہولیات، تعلیمی پروگرامات اور اس کے ساتھ ساتھ مالیات کی تفصیلات بھی حکومت کے علم میں لائیں۔

حکومت یہ تمام اقدامات امریکی حکام کے ان الزامات کے جواب میں کر رہی ہے کہ ان مدارس میں مذہبی تعلیم کی آڑ میں اسلامی دہشت گردی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اس لیے حکومت نے مدارس کو کہا ہے کہ وہ طلبا کو حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ ریاضی، سائنس اور کچھ عملی مضامین بھی پڑھائیں۔ علاوہ ازیں حکومت مدارس سے اس بات کا بھی مطالبہ کر رہی ہے کہ وہ اپنے قریبی پولیس اسٹیشن میں مدرسے میں غیر ملکی طلبا کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان فتاویٰ کی فہرست بھی فراہم کریں جو کہ اس مدرسے میں جاری ہوئے ہیں۔

قادری نے کہا: ''ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے قوانین مکمل ہیں اور ہم کسی حکمران کو، خواہ اس کا تعلق فوج سے ہو یا نام نہاد منتخب نمائندوں سے، یہ اجازت ہرگز نہیں دیں گے کہ ان میں تبدیلی لائیں''۔

ایک انگریزی قومی اخبار ''دی نیوز'' نے لکھا ہے کہ کئی مدارس کے سربراہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مدارس کے بارے میں کوائف اسلام دشمن مغربی طاقتوں خصوصاً امریکہ اور اسرائیل کی ہدایات پر اکٹھے کیے جا رہے ہیں اگرچہ پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقے کے ہاں ایسے دعووں کی کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ان دعووں کو عوام کی ایک بڑی تعداد معتبر سمجھتی ہے۔ جب سے امریکی حمایت یافتہ باغیوں نے ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین کو افغانستان سے باہر نکالا ہے اس وقت سے بہت سے پاکستانی سمجھتے ہیں کہ مغرب نے انہیں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پاکستان کو پناہ گزینوں کے سیلاب کے ساتھ نمٹنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ پاکستانی یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اگر افغان جنگ میں شریک لوگ بعد ازاں کشمیر اور چیچنیا میں جاری جہاد میں شامل ہو گئے ہیں تو ان پر دہشت گردی کی حمایت کا الزام لگانا بے انصافی ہے۔

امریکی پاکستان سے خصوصاً اس بات سے ناخوش ہیں کہ پاکستان نے ۱۹۹۵ء میں طالبان حکومت قائم کرنے میں مدد کی تھی۔ پاکستانی فوج نے پاکستانی مدارس کے طلبہ پر مشتمل گوریلا فورس تشکیل دینے میں مدد فراہم کی تھی۔ افغانستان میں طالبان حکومت کو ابتداء میں خوش آئند قرار دیا گیا کیونکہ افغانستان سے ۱۹۹۰ء میں روسی فوجوں کی واپسی کے بعد جاری طویل خانہ جنگی کے خاتمے کی امید پیدا ہوئی۔ لیکن جونہی طالبان نے افغانستان کے ۹۰ فیصد علاقے پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا تو انہوں نے اسلام کے ظالمانہ قوانین کا نفاذ کر دیا، خواتین کے کام کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ تمام مردوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ داڑھی بڑھائیں اور سر پر پگڑی باندھیں، موسیقی اور ٹیلی وژن پر پابندی لگا دی گئی اور سخت سزاؤں کو نافذ کیا گیا مثلاً چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے اور زنا کے ارتکاب پر سنگسار کر دینے جیسی سزائیں۔

طالبان نے مبینہ سعودی دہشت گرد اسامہ بن لادن کو اس کے باوجود اپنے ہاں رہنے کی اجازت دی کہ امریکہ اور اقوام متحدہ نے اسامہ بن لادن سے ان مقدمات کا سامنا کرنے کا مطالبہ کیا تھا جن میں اس پر ۱۹۹۸ء میں مشرقی افریقہ میں واقع دو امریکی سفارت خانوں میں بم دھماکے کرنے اور دوسرے مقامات پر بھی امریکہ مخالف حملوں کا الزام لگایا گیا تھا۔

پاکستانی سفارت کاروں کا کہنا ہے کہ وہ طالبان کو کنٹرول نہیں کر سکتے، باوجود یہ کہ صرف پاکستان